

جہاد کی فضیلت کے بقدر، احکاماتِ جہاد کا علم بھی حاصل کیجیے

مجاہد عالمِ دین شیخ ابو الولید الفلستانی حفظہ اللہ / ترجمہ: قاری عبدالہادی

یہ اقتباس مصنف کی تحریر ”فقہ الجہاد علی قدر فضله“ سے لیا گیا ہے۔ (مدیر)

اسلام میں جہاد کی فضیلت غیر متنازعہ ہے

شریعت نے جہاد فی سبیل اللہ کو جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس سے کوئی صاحبِ علم انکار نہیں کر سکتا۔ نہ ہی فضیلتِ جہاد کو بیان کرنے والی قرآنی آیات اور نبوی احادیث سے صرفِ نظر ممکن ہے۔ جہاد کی فضیلت سمجھنے کے لیے تو بس یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ قرآنِ کریم کی تقریباً ایک چوتھائی آیات جہاد ہی سے متعلق ہیں۔ بلکہ ہم نے تو طالبِ علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ و مشائخ سے یہاں تک سنا تھا کہ قرآنِ کریم کے چار بنیادی موضوعات ہیں اور چاروں ہی کا جہاد سے براہِ راست تعلق ہے:

- پہلا موضوع ہے توحید کا اثبات؛ اور جہاد کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا ہے تاکہ توحید قائم ہو۔
- دوسرا موضوع ہے نبوت کا اثبات جن میں سے سب سے آخری نبوت خاتم الانبیاء ﷺ کو عطا کی گئی؛ اور یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ آپ ﷺ کو تو مبعوث ہی تلوار کے ساتھ کیا گیا اور جہاد کو آپ کی شریعت کا مستقل جزو بنادیا گیا۔

ایسے کئی خوش قسمت لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم فرماتے ہوئے انہیں فریضہ جہاد کی ادائیگی کی توفیق دی، وہ جہاد کے بارے میں اس کے فضائل کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ میدانِ جہاد میں ایسے کئی مجاہد بھائی مل جاتے ہیں جو جہاد کی فضیلت سے متعلق آیات و احادیث تو بخوبی جانتے ہیں لیکن جہاد ہی سے متعلق معروف، بنیادی فقہی احکامات تک کا علم نہیں رکھتے۔ بعض اوقات تو محاذ پر سالوں گزارنے کے بعد بھی ایک بھائی اسی پست علمی سطح پر کھڑا رہتا ہے جس کے ساتھ وہ میدان میں پہلی بار آیا تھا، وانا للہ وانا الیہ راجعون! ایسے مجاہد کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہے جو یہ بات تو بخوبی جانتا ہے کہ نماز ارکانِ اسلام میں سے ایک بنیادی رکن اور کفر و اسلام کے درمیان حدِ فاصل ہے؛ اور وہ نماز کی فضیلت اور اس کے ثواب کا بھی علم رکھتا ہے، لیکن اسے شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا نہیں آتی اور نہ ہی اس نے کبھی نماز سے متعلق فقہی احکامات سیکھنے کی کوئی کوشش کی ہے۔ پس جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک بے ڈھب نماز پڑھنے والے سے کہا تھا کہ ”ارجع فصلًا فإنک لم تصل“، (لوٹو اور اپنی نماز دہراؤ کیونکہ بلاشبہ تمہاری نماز نہیں ہوئی) تو اسی طرح بے ڈھب انداز سے جہاد کرنے والے شخص سے بھی یہی کہا جائے گا کہ لوٹو اور اپنا جہاد دہراؤ کیونکہ تمہارا جہاد نہیں ہوا!..... یہاں تک کہ وہ احکاماتِ جہاد سیکھ لے اور اپنے جہاد کو شریعت کا بنیاد بنا لے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری تو دوچند ہے

میری ان باتوں سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں ہو گا کہ میں ان لوگوں کے موقف کی تائید کر رہا ہوں جو یہ کہہ کر فرض عین جہاد سے دور بیٹھے ہوئے ہیں کہ وہ حصولِ علم میں مصروف ہیں یا اپنی دینی تربیت بہتر بنا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں پر، بالخصوص علمائے کرام پر تو سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجاہدین کی صفوں میں موجود علمی کمزوریاں دور کرنے کے لیے محاذوں کا رخ کریں۔ علمِ عمل کے لیے حاصل کیا جاتا ہے اور اس وقت کا اصل میدانِ عمل، میدانِ جہاد ہی ہے۔ لہذا میرا مقصود جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی تائید کرنا نہیں بلکہ اس نکتے کی طرف توجہ

مبذول کرانا ہے کہ جس مسلمان پر بھی جہاد فرض ہو چکا ہو، اس پر احکام جہاد سیکھنا بھی فرض ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ مجاہدین کے لیے کون سے احکامات سیکھنا واجب ہے؟ اور وہ احکامات سیکھنے کی عملی صورت کیا ہوگی؟ تو میں کہوں گا کہ حصولِ علم کے معاملے میں ہم مجاہدین کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

عام مجاہد کے لیے کتنا علم ضروری ہے؟

پہلا گروہ عام مجاہدین کا ہے؛ ان کے لیے جہاد کے عمومی اور اصولی احکامات سیکھ لینا، جہاد کے مقاصد سمجھ لینا اور جہاد کے ضروری آداب جان لینا ان شاء اللہ کافی ہو گا۔ مثلاً مختلف نیتوں کا حکم، اطاعتِ امیر کی حدود و قیود، وعدے کو وفا کرنے اور امان کا احترام کرنے کا وجوب، معرکے کے وقت ثابت قدم رہنے کی فریضیت اور فساد پھیلانے کی حرمت وغیرہ۔ اسی طرح ایک عام مجاہد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے لیے دورانِ جنگ کیا کام کرنا جائز ہیں اور کیا ناجائز؛ مثلاً اسے عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت معلوم ہونی چاہیے اور یہ اصول بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ”الأصل فی الدماء العصمة“ یعنی یہ کہ ہر ذی روح سے معاملہ کرتے ہوئے بالاصل یہی فرض کیا جاتا ہے کہ وہ معصوم ہے اور اس کا خون بہانا ناجائز ہے۔ پھر اس کے بعد محض انہی لوگوں پر ہاتھ اٹھایا جاتا ہے جن کے خون کا مباح ہونا کتاب اللہ یا کسی صحیح ثابت سنت سے واضح ہو۔ کسی ٹھوس دلیل اور واضح حجت کے بغیر کلمہ گو اہل ایمان کا خون بہانا اللہ رب العزت کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

فتوے کے لیے کسی کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے؟

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہر وہ شخص جس نے چند آیات اور احادیث حفظ کر لی ہوں، اس بات کا اہل نہیں قرار دیا جاسکتا کہ وہ فتوے دینے اور شرعی مسائل بیان کرنے لگے۔ اس مقام پر تو اسی شخص کو فائز کیا جانا چاہیے جو آیات و احادیث سے شریعت کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استدلال کر سکے اور حقیقی علماء کی طرح فروعی مسائل کو حل کرتے ہوئے اصولی امور

مدِ نظر رکھے، مسئلے کے تمام پہلوؤں کا پوری دقت اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لے اور اللہ سے ڈرتے ہوئے پوری امانت کے ساتھ شرعی مسائل میں زبان کھولے۔ پس فتویٰ ایسے راسخ اہل علم ہی کی طرف لوٹایا جانا چاہیے اور ایسے ثقہ علماء ہی سے شرعی مسائل پوچھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کا حال یہ ہو کہ اس سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ آگے بڑھ کر دس کا جواب دے، تو اہل علم اور صاحبِ قدرت لوگوں کا فریضہ بنتا ہے کہ وہ دین کی حفاظت اور شریعت کی نگہبانی کی خاطر ایسے لوگوں پر کڑی پابندیاں عائد کریں اور انہیں ان کی حقیقی حدود سے تجاوز نہ کرنے دیں۔ یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ ائمہ سلف رحمہم اللہ کا فتویٰ ہے جو ان کی کتب میں بصراحت موجود ہے۔ خوب جان لیجئے کہ فتوے کے مقام پر فائز ہونا کوئی سہل امر نہیں بلکہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے خود کو طلبِ علم میں کھپانا اور گھلانا پڑتا ہے اور مستقل مشق کر کے اپنی صلاحیت اور تجربہ بڑھانا پڑتا ہے۔ تبھی تو سلفِ صالحین میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ: ”حضانۃ العلم عشرون“، یعنی ”علم بیس سال تک تو گہوارے ہی میں رہتا ہے“۔ گویا طالبِ علم کا علمی بچپن ختم ہونے میں بھی بیس سال لگ جاتے ہیں؛ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہتے ہیں، جتنا چاہتے ہیں، مزید علم عطا کرتے ہیں۔

امتِ مسلمہ سے معاملہ کرتے ہوئے عوام کا عذر ملحوظ رکھنا چاہیے

ہم آج ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں جب جہلِ عام اور علمِ نادر ہو چکا ہے؛ اور باعمل علماء اور مخلص داعیانِ دین تو اور بھی نادر ہیں۔ ہر سمت کفار کا غلبہ اور ظلم کا دور دورہ ہے، جس کے سبب اہل علم کے لیے کھل کر حق بات کہنا بھی نہایت دشوار ہو چکا ہے۔ چنانچہ عوام المسلمین کے لیے کئی اہم امور میں درست احکامات تک رسائی مشکل ہو گئی ہے اور اسی لیے عوام ایک درجے میں معذور بھی سمجھے جائیں گے، جیسا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ نے اپنی کتب میں بصراحت لکھا ہے۔ پس علماء اور امراء دونوں پر واجب ہے کہ وہ سیاستِ شرعیہ سے متعلق امور میں اور بالخصوص اس مظلوم و مقہور امت سے معاملہ کرتے ہوئے امت کے عوام کا یہ عذر اور جبر و استبداد کے یہ حالات مدِ نظر رکھیں۔

خونِ مسلم اور تکفیر کے معاملات میں احتیاط واجب ہے!

اپنے اصل موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہوئے میں کہوں گا کہ اگر کسی شخص کی جان لینے کے معاملے میں ہمیں اشکال درپیش ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ اس کا خون بہانا جائز ہے، تو ایسے میں احتیاط کی روش اختیار کرنا واجب ہو گا۔ ائمہ کرام رحمہ اللہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایسی صورت میں اقدام کرنے کی بجائے ہاتھ کھینچ لینا لازم ہے۔ یہاں ہم اسی بات کی تائید میں اہل علم کے بعض اقوال نقل کیے دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ اپنی کتاب ”التفرقة بین الإسلام والزندقة“ میں لکھتے ہیں:

”ينبغي الاحتراز عن التكفير ما وجد إليه سبباً، فإنَّ استباحةَ دماءِ الْمُصَلِّينَ الْمُقَرَّبِينَ بالتَّوْحِيدِ خطأ، والخطأ في تركِ أَلْفِ كَافِرٍ في الحياة أهُونُ من الخطأ في سَفْكِ دَمِ مُسْلِمٍ واحدٍ!“

”مطلوب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تکفیر سے گریز کیا جائے، کیونکہ توحید کا اقرار کرنے اور قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرنے والوں کے خون کو (کسی بالکل واضح شرعی دلیل کے بغیر) مباح قرار دینا غلط ہے۔ اور ایک ہزار کافروں کو غلطی سے زندہ چھوڑ دینے کی نسبت کسی ایک مسلمان کا خون غلطی سے بہا دینا زیادہ بھاری بات ہے!“

اسی طرح امام قرطبی مسلم شریف کی شرح ”المفہم“ میں لکھتے ہیں:

”وَبَابُ التَّكْفِيرِ خَطَرٌ وَلَا نَعْدِلُ بِالسَّلَامَةِ شَيْئاً“۔

”تکفیر کا باب خطرات سے پُر ہے؛ اور ہمارے نزدیک خود کو خطرات سے بچائے رکھنے سے اہم کوئی شے نہیں۔“

ایک مرتبہ فقیہ عبدالحق رحمہ اللہ نے امام ابوالمعالی الجوبینی سے خوارج کی تکفیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ:

”إِدْخَالُ كَافِرٍ فِي الْمِلَّةِ وَإِخْرَاجُ مُسْلِمٍ عَنْهَا عَظِيمٌ فِي الدِّينِ“۔

”کسی کافر کو امت میں شامل کرنا اور کسی مسلمان کو امت سے نکال دینا دونوں ہی اللہ کے نزدیک بہت بھاری باتیں ہیں (اس لیے میں اتنے خطرناک معاملے میں بولنے سے گریز کروں گا)۔“

یہی سوال قاضی ابوبکر قلاتانی سے پوچھا گیا تو آپ نے توقف اختیار کرتے ہوئے کہا:
 ”لَمْ يَصْرِحِ الْقَوْمُ بِالْكَفْرِ، وَإِنَّمَا قَالُوا أَقْوَالاً تُؤَدِّي إِلَى الْكَفْرِ“
 ”ان لوگوں نے صریح کفر کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ ایسے اقوال کہے ہیں جو کفر تک پہنچا دیتے
 ہیں۔“

علامہ ابن عابدین حنفی رحمہ اللہ ”عقود رسم المفتي“ میں لکھتے ہیں کہ:
 وَكُلُّ قَوْلٍ جَاءَ يَنْفِي الْكُفْرَ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَوْ ضَعِيفاً أُخْرَى
 ”ایک مسلمان کا ہر وہ قول جو اس کی تکفیر میں مانع ہو، اسے قبول کر لینا چاہیے خواہ وہ کوئی
 کمزور بات ہی کیوں نہ ہو۔“

پس مسلم معاشرے اور بالخصوص مجاہدین کے درمیان اس فہم کو پھیلانا ان شاء اللہ جہاد کی
 حفاظت کا ذریعہ بنے گا اور اسے ہوائے نفس کے گڑھوں اور شبہات کی دلدلوں میں بھسنے اور انجام
 بد کا شکار ہونے سے بچائے گا۔ انسانی جان لینے کے معاملے میں جرأت کا مظاہرہ کرنا جہل کی دلیل
 ہے اور جاہل اس بات کا زیادہ محتاج ہوتا ہے کہ اس کی نفسانی رغبات کو لگام دینے کے لیے اسے
 شرعی قیود و ضوابط کا سختی سے پابند بنایا جائے، بجائے اس کے کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ
 ہوائے نفس کی پیروی کرتا پھرے اور شیطان کو بھی اس پر مسلط ہونے کا خوب موقع ملے۔

مقصود کلمۃ اللہ کی سر بلندی ہے، نہ کہ محض قتل و غارت

سورۃ نساء میں وارد ہونے والے فرمان الہی ﴿فَيَقْتُلْ أَوْ يَغْلِبْ﴾ کے ذیل میں علماء نے ایک
 نکتہ بیان کیا ہے جسے یہاں ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ امام بیضاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
 ”وَإِنَّمَا قَالَ: فَيَقْتُلْ أَوْ يَغْلِبْ، تَنْبِيْهًا عَلَى أَنَّ الْمَجَاهِدَ يَنْبَغِي أَنْ يَثْبُتَ فِي
 الْمَعْرَكَةِ حَتَّى يُعِزَّزَ نَفْسُهُ بِالشَّهَادَةِ؛ أَوْ الدِّينَ بِالظَّفَرِ وَالْغَلَبَةِ، وَأَنْ لَا يَكُونَ
 قَصْدُهُ بِالذَّاتِ إِلَى الْقَتْلِ، بَلْ إِلَى إِعْلَاءِ الْحَقِّ وَإِعْزَازِ الدِّينِ“
 ”اس آیت مبارکہ میں یہ کہنے کی بجائے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن کو قتل کر
 دے))، یہ کہا گیا ہے کہ ((وہ قتل کر دیا جائے یا دشمن پر غالب آجائے))، جس سے یہ

بات سمجھانا مقصود ہے کہ مجاہد کو چاہیے کہ وہ معرکے میں ثابت قدم رہے یہاں تک کہ یا تو اسے شہادت کا اعزاز مل جائے یا وہ دین کو فتح اور غلبہ دلا دے۔ پس ایک مجاہد کی اصل نیت قتل و غارت کرنا نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اسے کلمہ حق کی سر بلندی اور دین کی سرفرازی پر نگاہ رکھنی چاہیے۔“

مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ راسخ علماء کی رہنمائی میں چلیں

الغرض، ایک عام مجاہد کے حوالے سے ہماری نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اس پر واجب ہے کہ وہ شرعی مسائل میں احتیاط کی روش اختیار کرے۔ اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کی جان و مال کی حرمت و حلت کے معاملات اور تکفیر کے مسائل کو طالب علموں کی بجائے راسخ علمائے کرام کے سپرد کر دے، جو ان مسائل میں خوب غور و فکر کے بعد ٹھوس علم کی بنیاد پر رائے دیں۔ ہر مجاہد کا فرض بنتا ہے کہ وہ فتویٰ دینے کے اہل علمائے کرام سے پوچھے بغیر ان مسائل میں کوئی قدم نہ اٹھائے۔

علمی ذوق کے حامل مجاہدین کے لیے کتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے؟

دوسرا گروہ ان مجاہدین کا ہے جو علم حاصل کرنے کی رغبت بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے ممکن بھی ہے کہ وہ اپنی کوششیں اس میدان میں کھپائیں اور اپنے وقت کا بڑا حصہ علم حاصل کرنے میں گزاریں۔ ایسے مجاہد بھائیوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنی باقی مصروفیات منقطع کر کے حصول علم ہی کو سب سے زیادہ وقت دیں۔ لیکن یہ علم میدان جہاد میں رہتے ہوئے ہی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے؛ اس صورت میں جہاد کی فرضیت بھی ادا ہو جائے گی، علم اور جہاد جیسی دو افضل عبادات جمع کرنے کا شرف بھی مل جائے گا اور میدان جہاد میں پیش آنے والے عملی مسائل کا مشاہدہ بھی قریب سے کرنے کا موقع ملے گا۔ ایسے مجاہد ساتھیوں کی بنیادی ترجیح یہی ہونی چاہیے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق احکامات سیکھیں، جہاد کے مسائل حفظ کریں اور اس کے فروع اور نازک امور پر بھی گرفت حاصل کر لیں۔ پھر اگر میدان جہاد ہی میں کسی عالم یا اپنے سے زیادہ علم

والے طالبِ علم کی صحبت میسر آ جائے جسے پابندی کے ساتھ کسی کتاب کا متن سنایا جاسکے، اس متن کی شرح سمجھی جاسکے اور اس کی سرپرستی میں اس متن کو حفظ کیا جاسکے، تو اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو حصولِ علم کا وہ اصل طریقہ ہے جو سلف کا ورثہ ہے اور اس امت میں نسل در نسل رائج رہا ہے۔ نیز یہ کوشش ہونی چاہیے کہ احکاماتِ جہاد سے متعلق جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگے، وہ اس کا مطالعہ کر ڈالے۔ احکاماتِ جہاد کے ساتھ ساتھ اس کو باغیوں اور مرتدین کے احکامات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس مطالعے کا آغاز شروحاتِ حدیث میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے سے ہونا چاہیے اور اس کے بعد اسی موضوع پر ائمہ اربعہ کی کتبِ فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد علامہ ابنِ حزم کی کتب اور شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ اور امام ابنِ قیم رحمہم اللہ کی کتب میں سے متعلقہ ابواب پڑھنے چاہئیں۔ پھر متاخرین میں سے امام شوکانی، قزوینی اور البانی رحمہم اللہ وغیرہ کی کتابیں بھی دیکھ لینی چاہئیں۔ پھر مختلف پیچیدہ اور متنوع عملی مسائل کا جواب جاننے کے لیے مالکیہ اور احناف کے فتاویٰ کو ترجیحاً پڑھنا چاہیے، کیونکہ مالکی و حنفی علماء کی کتب میں ان موضوعات پر جو وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ کہیں اور نہیں پایا جاتا۔ اور اللہ ہی کی ذات ہے جو ہر خیر کی توفیق دیتی ہے اور اس کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں!

امرائے جہاد سے بڑھ کر علم کا محتاج کوئی نہیں!

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ علم اور اہل علم کی صحبت کے سب سے زیادہ محتاج مجاہدین کے امراء ہیں۔ امرائے جہاد کے لیے اپنی علمی سطح بڑھانے پر مستقل توجہ دیتے رہنا لازم ہے۔ سیاستِ شرعیہ کا فہم حاصل کرنے اور رعیت سے متعلق معاملات منظم کرنے میں امراء کے لیے جو چیز سب سے زیادہ معاون ثابت ہوگی وہ سیرتِ نبوی ﷺ، سیرتِ صحابہ، فتوحاتِ اسلام، عمومی کتبِ تاریخ اور مشاہیر امت کی زندگیوں کا مطالعہ ہے۔ یہ سلف کے کئی عادل بادشاہوں اور امرائے اسلام کا طرز رہا ہے، اللہ ان سب پر رحمت فرمائے۔ پس امرائے جہاد کو چاہیے کہ وہ حصولِ علم کا اہتمام کریں اور اگر مصروفیت وغیرہ کے سبب خود مطالعہ نہیں کر سکتے تو

کسی ساتھی کے ذمے لگائیں کہ وہ روزانہ ان کتب میں سے کچھ نہ کچھ حصہ پڑھ کر انہیں سنا دیا کرے۔
ان شاء اللہ یہ طریقہ بھی ان کے لیے بہت نافع ثابت ہو گا۔

حصولِ علم میں مانعِ شیطانی و سوس کا مختصر جواب

بات سمیٹتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ عزائم بلند ہوں تو مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ لہذا اس شیطانی وسوسے کو خاطر میں نہ لایا جائے کہ میدانِ جہاد کے مخصوص حالات میں علم حاصل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اللہ پر توکل کرتے ہوئے علم حاصل کرنے کا آغاز کیجیے۔ میرے علم میں نہیں کہ حصولِ علم کے لیے جو شرح صدر میدانِ جہاد میں حاصل ہوتا ہے وہ کہیں اور بھی حاصل ہوتا ہو۔ میں نے بیت اللہ، اللہ اس کے شرف و عظمت میں مزید اضافہ فرمائے، کے عین سامنے بیٹھ کر علم حاصل کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے، جب کہ میرے اور کعبہ شریف کے درمیان محض چند گز کا فاصلہ تھا اور میں نے محاذوں پر دشمن کے بالکل قریب پہنچ کر بھی یہی تجربہ کیا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں نے حصولِ علم کے لیے جو شرح صدر محاذوں پر پایا وہ کہیں اور نہیں پایا۔ اور جس کو میری یہ بات سمجھ نہ آئے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کر لے:

﴿ أَجْعَلْتُمْ مَسَاقِيَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾
(التوبة: ١٩)

”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

نیز یہاں یہ ذکر کرنا بھی مناسب ہو گا کہ موجودہ زمانے میں حصولِ علم کے عمل کو آسان بنانے کے لیے جو اسباب و ذرائع میسر ہیں وہ پہلے کبھی نہیں موجود تھے۔ کئی نئی ایجادات نے بہت سے ایسے

